© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح مثنوی مولانائے روم

گذشتہ سے پیوستہ

۲۷ بند بگسل باش آزاد اے پسر چند باشی بند سیم و بندِ زر؟

چونکہ مرید اپنے مرشد کا معنوی فرزند ہوتا ہے۔ اس لئے "پسر" کہہ کر خطاب کیا ہے۔ اے بیٹے! علایق دینوی کی زنجیروں کو توڑ کر آزاد ہو جا۔ تو کب تک سونے چاندی کی غلامی میں مبتلا رہے گا۔ "بند سیم و زر" کنایہ ہے علایق دینوی سے

۲۸ گر بریزی بحر را در کوزۂ چند گنجد؟ قسمت یک روزۂ

اگر تو کوزے میں سمندر بھی بند کر لے تو آخر اس میں کس قدر سما سکتا ہے؟ بس اسی قدر جو تجھے ایک دن کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مقسوم سے زیادہ رزق حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے مقسوم پر قناعت کرنا ہی عین دانشمندی ہے۔

۲۹ کوزۂ چشم حریصاں پُر نہ شد تا صدف قانع نہ شد پُر در نشد

لالچی آدمیوں کی خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ "کوزہ چشم" کنایہ ہے۔ دُنیاوی خواہشات سے۔ دیکھو! جب تک صدف ایک قطرہ پر قانع نہیں ہوتی۔ اس میں موتی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس مصرع میں اشارہ ہے اس طرف کہ جب موسم بہار میں ابر نیساں برستا ہے۔ تو صدف اپنا مونہہ کھول دیتی ہے۔ اور ایک دو قطرے اس کے مونہہ میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ اپنا مونہہ بند کر کے وصرف ایک دو قطروں پر قناعت کر کے سمندر کی تہ میں بیٹھ جاتی ہے اور وہ قطرہ موتی بن جاتا ہے

۳۰ ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد او ز حرص و عیب کلّی پاک شد

اس شعر میں مولانا نے حرص کا علاج بتایا ہے۔ کہ جو شخص عشق حقیقی اختیار کر لیتا ہے، وہ حرص اور تمام دیگر امراض سے پاک ہو جاتا ہے۔ "عشقے" میں یاے تعظیمی ہے یعنی یہاں عشق الٰہی مراد ہے۔ اس کے بعد شعر ۳۱ سے آخر تک عشق الٰہی کی فضیلت بیان کی ہے۔

۳۱ شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما وے طبیب جملہ علت ہائے ما
و
۳۲ اے دوائے نخوت و ناموسِ ما اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

مطلب یہ ہے کہ عشق انسان کے حق میں بہترین سودا ہے، اور یہ ہماری تمام بیماریوں کا بہترین معالج ہے، غرور اور تکبر کے ازالہ کی بہترین دوا ہے۔ گویا ہمارے حق میں بمنزلۂ افلاطون اور جالینوس ہے۔

فارسی میں "سودا" کے معنی ہیں تجارت یا منافع۔ اور عربی میں سوداء کے معنی ہیں جذبۂ شدید خواہش یا آرزو۔ اور اس جگہ یہ دونوں معنی موزوں ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۳۔ جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد — کوہ در رقص آمد و چالاک شد

جسمِ خاک کنایہ ہے حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے (کوہ در رقص آمد) کنایہ ہے تجلی باری تعالیٰ سے جو کوہِ طور پر ہوئی تھی اور جس کی وجہ سے وہ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اب مطلب واضح ہے۔ کہ عشق میں وہ طاقت ہے کہ اس کی بدولت حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلعم کا جسم خاکی (باوجود کثافت طبعی) آسمان پر چلا گیا۔ اور کوہ طور جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ مولنا نے کوہ طور کے لرزنے اور سرمہ ہو جانے کو مجازاً رقص اور چالاکی سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ جمادات میں بھی زندگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ یعنی حرکت اور احساس،

۳۴۔ عشق جانِ طور آمد عاشقا — طور مست و خرّ موسیٰ صعقا

اے مخاطب! عشق ہی طور کی جان ثابت ہوا۔ اسی کی بدولت کوہ طور مست ہو گیا (جل کر ریزہ ریزہ ہو گیا) اور حضرت موسیٰؑ بیہوش ہو کر گر پڑے "خرّ موسیٰ صَعِقاً" یہ قرآن حکیم کی ایک آیت کا آخری حصہ ہے۔ جسے مولنا نے اس مصرع میں نظم کر دیا ہے۔

بالبِ دمسازِ خود گر جفتمے — ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے

۳۵ بالبِ دمساز کنایہ ہے ہمدم اور ہمخیال سے، نے کنایہ ہے عاشق سے مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں مجھے کوئی شخص ایسا مل جاتا۔ جو عشق حقیقی کے اسرار و رموز کو سمجھ سکتا تو میں بھی عاشقوں کی طرح عشق کے اسرار واضح طور پر بیان کرتا (مگر افسوس کہ کوئی سمجھنے والا ہی نہیں ہے)

۳۶ سِرِّ پنہاں است اندر زیر و بم — فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

زیر و بم بمعنی اونچی نیچی آواز (موسیقی کی اصطلاح ہے) یہاں فریادِ عاشقانہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کے نالوں میں یا فریاد عاشقانہ میں ایسے اسرار و رموز پوشیدہ ہیں کہ اگر میں ان کو کھول کر بیان کر دوں۔ تو دنیا میں ہنگامہ برپا ہو جائے (اس شعر میں مولانا نے وحدت الوجود کی طرف اشارہ کیا ہے)

۳۷ ہر کہ او از ہمزبانے شد جدا — بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

جو شخص اپنے ہمخیال سے جدا ہو جاتا ہے۔ اُس کے پاس جس قدر علم و فضل (نوا) ہے وہ سب بیکار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب تک سامع میں عالمانہ گفتگو یا اسرارِ عشق سمجھنے کی استعداد نہ ہو۔ مردِ عارف لب کشائی نہیں کر سکتا۔

۳۸ چونکہ گل رفت و گلستاں درگذشت — نشنوی زاں پس ز بلبل سرگذشت

مضمون بالا کو مثال سے واضح کیا ہے۔ کہ دیکھو! جب پھولوں کا موسم ختم ہو جاتا ہے۔ تو کوئی شخص باغ میں بلبل کے نغمے نہیں سن سکتا بس اسی طرح جب صحیح مخاطب چلا جاتا ہے۔ تو مردِ عارف خاموش ہو جاتا ہے۔

۳۹۔ چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب — بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

جب پھولوں کا موسم ختم ہو جاتا ہے۔ اور باغ ویران ہو جاتا ہے تو گلاب کے سوا گل کی خوشبو اور کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو عشق کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل کرنے کا شوق ہو تو اُسے لازم ہے کہ شیخ کامل (گلاب) کی صحبت اختیار کرے۔

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ — زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

جس "سرِّ پنہاں" کی طرف مولنا نے شعر ۳۶ میں اشارہ کیا ہے۔ اسے اس شعر میں واضح کر دیا ہے۔ شعر ۳۶ میں رازِ عشق کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام سے پوشیدہ کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ لیکن اس شعر میں خواص کے لئے اس رمز کو قدرے آشکار کر دیا ہے۔ وہ راز توحید وجودی ہے۔ جسے تصوف کی اصطلاح میں وحدت الوجود کا مسئلہ کہتے ہیں۔ اس شعر کے پہلے مصرع میں اس مسئلہ کا دعویٰ ہے۔ اور دوسرے مصرع میں اس کی تفسیر ہے۔ "جملہ معشوق است" یعنی ساری کائنات عینِ ذاتِ حق ہے۔ اسی کو اصطلاح میں "ہمہ اوست" کہتے ہیں، عاشق کنایہ ہے۔ ساری کائنات سے اور پردہ سے مراد ہے۔ وجودِ ظاہری تمام ممکنات کا جو حجاب ہے موجودِ حقیقی کا چونکہ پردہ تو نظر آتا ہے۔ لیکن پردہ دار نظر نہیں آتا۔ اس لئے پردہ سے مراد ہے۔ وجود ظاہری جو نظر آتا ہے۔ لہٰذا دعویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ ممکنات (مخلوقات) محض موجود ظاہری ہیں یا محض وجود ظاہری رکھتے ہیں، درحقیقت، ذاتِ حق کے سوا اور کوئی شئی حقیقی معنی میں موجود نہیں ہے۔ یعنی ممکنات کی ہستی ذاتِ حق کی ہستی کے سامنے کالعدم ہے۔ ہستی تو ممکنات ظاہری کی بھی ہے۔ کیونکہ انہیں ذاتِ حق نے وجود عطا کیا ہے۔ مگر حق تعالیٰ کی ہستی کامل ہے۔ اور ممکنات کی ہستی ناقص ہے۔ اور کامل کے سامنے ناقص کی ہستی محض ظاہری ہستی ہے۔ حقیقی یعنی کامل نہیں ہے۔ یہ معنیٰ ہے ہمہ اوست کا۔

دوسرا مصرع اسی مفہوم کی توضیح اور تفسیر ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر صفت میں دو مرتبے ہوتے ہیں ایک کامل دوسرا ناقص۔ اور کامل کے سامنے ناقص کی ہستی کالعدم ہوتی ہے۔ یعنی اگرچہ ممکنات بھی موجود ہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے انہیں وجود عطا کیا ہے، مگر حق تعالیٰ کے سامنے ان کا وجود ناقص ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہے۔ جیسے کسی ضلع کے حاکم کا وجود بادشاہ کے وجود کے سامنے کالعدم ہو جاتا ہے۔ یا چراغ کا وجود آفتاب کے سامنے کالعدم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سعدیؒ لکھتے ہیں ؎

همه هر چه هستند زاں کمتر اند
که با هستی اش نام هستی نہند

یعنی اگرچہ ممکنات موجود ہیں۔ مگر خدا کی ہستی کے سامنے ان پر ہست ہونے کا اطلاق درست نہیں ہے خدا کے سامنے ان کو ہست نہیں کہہ سکتے۔ سعدیؒ نے اسی حقیقت کو جگنو کی مثال سے سمجھایا ہے، کہ کسی نے جگنو سے پوچھا کہ تم دن کو کیوں نہیں نظر آتے تو اُس نے جواب دیا،

که من روز و شب جز بصحرا نیم
ولے پیشِ خورشید پیدا نیم

یعنی میں تو ہر وقت صحرا ہی میں رہتا ہوں۔ لیکن آفتاب کے سامنے میری ہستی معدوم ہو جاتی ہے۔ اسی بات کو مولانا نے یوں بیان کیا ہے کہ حقیقی معنیٰ میں خدا (معشوق) ہی زندہ ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں ساری کائنات مردہ ہے۔ یعنی صرف حق تعالیٰ کو موجود سمجھو اور اس کے مقابلہ میں کائنات کو معدوم سمجھو۔ جیسے آفتاب کے سامنے ستارے معدوم ہو جاتے ہیں،

حضرت مُلا بحر العلوم لکھنویؒ اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں۔ "جملہ موجودات عین معشوق ہیں اور وہ معشوق ذاتِ حق ہے عاشق محض پردہ ذاتِ حق ہے، کیونکہ شئونِ حق میں سے ایک شان ہے۔ دگر ہیچ۔ اگر یہ پردہ اُٹھ جائے تو عالم منتفی ہو جائے گا حقیقی معنیٰ میں صرف معشوق زندہ ہے، عاشق دراصل مردہ یعنی معدوم ہے۔ اس کی موجودیت اور حیات حق تعالیٰ کے وجود پر موقوف ہے" (باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com